رسائل و مسائل

امر بالمعروف کا فریضہ کیسے انجام دیا جائے؟

سوال- امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلے میں ایک عرصے سے پریشان ہوں نہی عن المنکر کے متعلق جب میں احکام کی شدت کو دیکھتی ہوں اور دوسری طرف دنیا میں منکر کا جو حال ہے اور جتنی کثرت ہے اس کا خیال کرتی ہوں تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان احکام پر کیسے عمل کیا جائے۔ اگر بُرائی کو دیکھ کر خاموش رہنے کے بجائے زبان سے منع کرنا مطلوب ہو (کیونکہ ہاتھ سے نہ سہی مگر زبان سے کہنے کی قدرت سوائے شاذ صورتوں کے ہوتی ہی ہے) تو پھر تو انسان ہر وقت اسی کام میں رہے، کیونکہ منکر سے تو کوئی جگہ خالی ہی نہیں ہوتی۔ لیکن بڑی رکاوٹ اس کام میں یہ ہوتی ہے کہ جس کو منع کیا جائے وہ کبھی اسے اپنی خیر خواہی پر محمول نہیں کرتا بلکہ الٹا اسے ناگوار ہوتا ہے۔ میرا تجربہ تو یہی ہے کہ چاہے کسی کو کتنے ہی نرم الفاظ میں اور خیر خواہانہ انداز میں منع کیا جائے مگر وہ اس کو کبھی پسند نہیں کرتا بلکہ کوئی تو بہت بے توجہی برتے گا، کوئی کچھ الٹا ہی جواب دیگا، اور اگر کسی نے بہت لحاظ کیا تو سن کر چپ ہو رہا۔ مگر ناگوار اسے بھی گزرتا ہے اور اثر کچھ نہیں ہوتا۔

مثلاً ہم راہ چلتے میں کسی عورت کو بے پردہ دیکھتے ہیں تو اگر اس کو سرِ راہ ہی منع نہ کیا جائے تو دوسرا کونسا موقع ہے جس میں ایک ناواقف عورت کو سمجھانے کا مل سکے گا۔ کیا راستے میں روک کر سمجھانا آپ کے نزدیک مناسب ہے؟ اسی طرح جس عورت کا چال چلن درست نہ ہو اس کو کیسے نصیحت کی جائے؟ چاہے کوئی عورت کتنی ہی رسوائے زمانہ ہو لیکن

نصیحت کرو تو برا مانے گی۔ اگر درس یا اجتماع میں بلایا جاتے تو کبھی نہیں آتے گی۔

پھر ان کے معاملہ میں اس فریضہ کو ادا کرنے کی صورت کیا ہے؟ آخر میں اس بارے میں بھی آگاہ فرمائیں کہ عورت کے لیے کیا مردوں پر تبلیغ کرنا بھی ضروری ہے؟

جواب ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم عام ہے، مگر اس پر عمل کرنے میں آدمی کو حکمت ملحوظ رکھنی چاہیے۔ موقع و محل کو دیکھے بغیر ہر جگہ ایک ہی لگے بندھے طریقے سے اس کام کو کرنے سے بعض اوقات اُلٹا اثر ہوتا ہے۔ میرے لیے اس کا کوئی ایسا طریقہ بتا دینا مشکل ہے جس پر آپ آنکھیں بند کر کے عمل کر سکیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ خود آہستہ آہستہ اپنے تجربات سے سبق حاصل کریں اور رفتہ رفتہ اپنے اندر اتنی حکمت پیدا کریں کہ ہر موقع اور ہر آدمی اور ہر حالت کو سمجھ کر امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کی خدمت انجام دینے کا ایک مناسب طریقہ اختیار کر سکیں۔ اس کام میں اوّل اوّل آپ سے بھی غلطیاں ہوں گی، اور بعض مواقع پر غلطی آپ کی نہ ہوگی مگر دوسرے شخص کی طرف سے جواب نامناسب ہوگا۔ لیکن یہی تجربات آپ کو صحیح طریقہ سکھاتے چلے جائیں گے۔ بشرطیکہ آپ بد دل ہو کر اس کام کو چھوڑ نہ دیں، اور ہر تجربے کے بعد غور کریں کہ اس میں اگر آپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ کیا ہے اور دوسرے نے اگر ضد یا ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے تو اسے راہِ راست پر لانے کا بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی خیال رکھیے کہ یہ کام بڑا صبر چاہتا ہے۔ جہاں آپ برائی دیکھیں اور محسوس ہو کہ اس وقت اس پر ٹوکنا مناسب نہیں ہے تو ٹال جائیے اور دوسرا کوئی مناسب موقع اس کے لیے تلاش کرتی رہیے۔ اس کے علاوہ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس جگہ ایسی کوئی برائی ہو کہ اس کو ٹوکنا آپ کے لیے مشکل ہو تو وہاں سے ہٹ جائیے اور اگر کوئی صحبت یا تقریب اس قسم کی ہو تو اس سے الگ رہیے۔ ایسے مواقع پر لوگ بالعموم خود آپ کی علیحدگی کی وجہ پوچھیں گے۔ اس وقت آپ کو یہ موقع مل جائے گا کہ بڑی نرمی کے ساتھ وجہ بیان کر دیں اور یہ کہہ دیں کہ آپ لوگوں کو روکنا تو میرے بس میں نہیں ہے مگر احکام خدا و رسول کی خلاف ورزی میں شریک ہونے کی

جرأت بھی میرے اندر نہیں ہے۔

آپ نے چند متعین امور کے متعلق بھی سوال کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ راہ چلتی عورتیں اگر بے پردہ ہوں تو ان کو وہیں روک کر سمجھانا مناسب نہیں ہے۔ یہ ایک عام مصیبت ہے جس کا انفرادی حل اب ممکن نہیں رہا ہے۔ اس کو تو اب اجتماعی اصلاح کی تدابیر ہی سے درست کیا جا سکتا ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جن عورتوں سے آپ کی واقفیت ہے اور وہ بے پردگی کے مرض میں مبتلا ہیں ان تک احکامِ خدا و رسول پہنچانے کی کوشش کریں۔

جس عورت کا چلن خراب ہو اسے سمجھانے کا ایسا طریقہ اختیار کیجیے جس سے اس کو یہ شبہ لاحق نہ ہو کہ آپ اسے بدچلن قرار دے رہی ہیں۔ نیز اسے بدچلنی کے خلاف وعظ سنانے کے بجائے پہلے اس کے دل میں ایمان اور خدا کا خوف اور آخرت کی جوابدہی کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اجتماع میں وہ نہ آئے تو کوئی تقریب ایسی پیدا کریں جس میں وہ شریک ہو اور اس وقت قیامت اور آخرت اور جنت اور دوزخ کی باتیں کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا احساس دلائیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کا خطاب عورتوں اور مردوں سب کے لیے یکساں ہے مگر عورتوں کو اپنے دائرے میں ہی یہ فرض انجام دینا چاہیے۔ ان کے مخاطب وہ مرد ضرور ہو سکتے ہیں جو ان کے رشتہ دار ہوں اور جن سے ملنا جلنا، بات چیت کرنا ان کے لیے ممکن ہو۔ عام مردوں کو نصیحت کرنا ان کا فرض نہیں ہے اِلّا یہ کہ وہ شائع ہونے والی تحریروں کی شکل میں یہ خدمت انجام دیں۔

اسلام اور جمہوریت

سوال۔ جمہوریت کو آج کل ایک بہترین نظام قرار دیا جاتا ہے۔ اسلامی نظامِ سیاست کے بارے میں بھی یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بہت بڑی حد تک جمہوری اصولوں پر چلتا ہے۔

مگر میری نگاہ میں جمہوریت کے بعض نقائص ایسے ہیں جن کے متعلق میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اسلام انہیں کس طرح دُور کر سکتا ہے۔ وہ نقائص درج ذیل ہیں:۔

(۱) دوسرے سیاسی نظاموں کی طرح جمہوریت میں بھی عملاً آخر کار اقتدار جمہور کے ہاتھوں سے چھن کر اور چند افراد میں مرتکز ہو کر تنگ زرگری کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور OLIGARCHY یا PLUTOCRACY کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا کیا حل ممکن ہے؟

(۲) عوام کے متنوع اور متضاد مفادات کی بیک وقت رعایت ملحوظ رکھنا نفسیاتی طور پر ایک بڑا مشکل کام ہے۔ جمہوریت اس عوامی ذمہ داری سے کس شکل میں عہدہ برآ ہو سکتی ہے؟

(۳) عوام کی اکثریت جاہل، سادہ لوح، بے حس اور شخصیت پرست ہے۔ اور خود غرض عناصر انہیں برابر گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں نیابتی اور جمہوری ادارات کے لیے کامیابی سے کام کرنا بڑا دشوار ہے۔

(۴) عوام کی تائید سے جو انتخابی اور نمائندہ مجالس وجود میں آتی ہیں، ان کے ارکان کی تعداد اچھی خاصی ہوتی ہے اور ان کے مابین باہمی بحث و مشاورت اور آخری فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ رہنمائی فرمائیں کہ آپ کے خیال میں اسلام اپنے جمہوری ادارات میں ان خرابیوں کو راہ پانے سے کیسے روکے گا۔

جواب ۔ آپ نے جمہوریت کے بارے میں جو تنقید کی ہے اس کے تمام نکات اپنی جگہ درست ہیں، لیکن اس مسئلے میں آخری رائیں قائم کرنے سے پہلے چند اور نکات کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

اوّلین سوال یہ ہے کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے اصولاً کونسا طریقہ صحیح ہے؟ آیا یہ کہ وہ معاملات جن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کی مرضی سے سربراہ کار مقرر کیے جائیں اور وہ ان کے مشورے اور رضامندی سے معاملات چلائیں اور جب تک ان کا اعتماد سربراہ کاروں کو

رہے اسی وقت تک وہ سربراہ کار رہیں ؟ یا یہ کہ کوئی شخص یا گروہ خود سربراہ کار بن بیٹھے اور اپنی مرضی سے معاملات چلاتے اور اس کے تقرر اور علیحدگی اور کارپردازی میں سے کسی چیز میں بھی ان لوگوں کی مرضی و رائے کا کوئی دخل نہ ہو جن کے معاملات وہ چلا رہا ہو ؟ اگر ان میں سے پہلی صورت ہی صحیح اور مبنی بر انصاف ہے تو ہمارے لیے دوسری صورت کی طرف جانے کا راستہ پہلے ہی قدم پر بند ہو جانا چاہیے۔ اور ساری بحث اس پر ہونی چاہیے کہ پہلی صورت کو عمل میں لانے کا زیادہ سے زیادہ بہتر طریقہ کیا ہے۔

دوسری بات جو نگاہ میں رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ جمہوریت کے اصول کو عمل میں لانے کی جو بے شمار شکلیں مختلف زمانوں میں اختیار کی گئی ہیں یا تجویز کی گئی ہیں، ان کی تفصیلات سے قطع نظر کر کے اگر انہیں صرف اس لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے کہ جمہوریت کے اصول اور مقصد کو پورا کرنے میں وہ کہاں تک کامیاب ہوتی ہیں، تو کوتاہی کے بنیادی اسباب صرف تین ہی پائے جاتے ہیں:

اوّل یہ کہ جمہور کو مختار مطلق اور حاکم مطلق (SOVEREIGN) فرض کر لیا گیا اور اس بنا پر جمہوریت کو مطلق العنان بنانے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ جب بجائے خود انسان ہی اس کائنات میں مختار مطلق نہیں ہے تو انسانوں پر مشتمل کوئی جمہور کیسے حاکمیت کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آخر کار جس چیز پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چند آدمیوں کی عملی حاکمیت ہے۔ اسلام پہلے ہی قدم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے۔ وہ جمہوریت کو ایک ایسے بنیادی قانون کا پابند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم (SOVEREIGN) نے مقرر کیا ہے۔ اس قانون کی پابندی جمہور اور ان کے سربراہ کاروں کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بنا پر وہ مطلق العنانی سرے سے پیدا ہی نہیں ہونے پاتی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا اصل سبب بنتی ہے۔

دوم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ سہارنے

کے لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہوں۔ اسلام اسی لیے عام مسلمانوں کی فرداً فرداً تعلیم اور اخلاقی تربیت پر زور دیتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساسِ ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام کا اور ان کی پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہوگی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہوں گے اور جتنی زیادہ ہوگی امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔

سوم یہ کہ جمہوریت کے کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار ایک بیدار اور مضبوط رائے عام پر ہے اور اس طرح کی رائے عام اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھے افراد پر مشتمل ہو، ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے اس میں نہ پھل پھول سکیں۔ اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں ابھر سکیں۔ اسلام نے اس کے لیے بھی ہم کو تمام ضروری ہدایات دے دی ہیں۔

اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عملدرآمد کی مشنیری خواہ کسی طرح کی بنائی جائے، وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشنیری میں کسی جگہ کوئی قباحت محسوس ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشنیری بھی بنائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد اصلاح و ارتقاء کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربے کا موقع ملے۔ تجربات سے بتدریج ایک ناقص مشنیری بہتر اور کامل ترینتی چلی جائے گی۔

چند متفرق سوالات

سوال ـ مہربانی فرما کر میرے چند سوالات کے جوابات ارسال فرمائیے، میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

۱۔ غلافِ کعبہ خانہ کعبہ پر کس شہر کا تیار شدہ چڑھایا گیا؟ بعض لوگ کراچی کے

غلاف کے متعلق قیاس آرائیاں کر رہے ہیں، اور بعض لوگ لاہور کے غلاف کے متعلق اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔

۲۔ بعض لوگ فرماتے ہیں کہ آپ نے مسجد نبوی میں لوگوں کے ساتھ سلام نہیں پڑھا۔ آپ سے کئی ساتھیوں نے کہا کہ آپ تشریف لائیں اور سلام پڑھیں لیکن آپ نے کچھ جواب نہیں دیا اور دعا کے بعد وہاں سے تشریف لے آئے؟

۳۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے درسِ قرآن کے بند کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جبکہ حضرت مولانا تھانوی صاحب کافی عرصہ سے درسِ قرآن بلا معاوضہ نشر کرتے تھے۔ آخر ریڈیو پاکستان والوں نے کس مصلحت کے تحت مولانا تھانوی کا درسِ قرآن بند کیا۔

۴۔ سنا ہے کہ آپ کا اور مولانا احمد سعید کاظمی صاحب کا مناظرہ ہوا تھا اور فیصلہ ان کے حق میں ہوا تھا۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب۔ آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درجِ ذیل ہیں:

۱۔ اس سال ایک غلاف عید الفطر کے موقع پر چڑھایا گیا تھا، جس میں لاہور، کراچی، اور ہندوستان کے تھان ملے جلے تھے۔ دوسرا غلاف اب حج کے موقع پر چڑھایا گیا ہے جس میں زیادہ تر لاہور کے تھان اور کچھ ہندوستان کے تھان شامل ہیں۔ کراچی کے تھان کسی ضرورت کے موقع پر کام آنے کے لیئے محفوظ رکھ لیے گئے ہیں۔

۲۔ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا اور مواجہہ شریف پر حاضر ہو کر درود و سلام عرض کر دینا میرے نزدیک کافی ہے اور یہ کام میں کرتا رہا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کسی خاص جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر وہاں سلام پڑھنا کب سے ضروری ہو گیا ہے۔ جس واقعہ کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک روز نماز مغرب کے بعد دمشق کے ایک مشہور عالم اور صوفی بزرگ اتفاق سے مسجد نبوی میں مل گئے۔ میں ان سے بیٹھا ہوا گفتگو کر رہا تھا کہ اتنے میں یکایک مولانا عبد الحامد صاحب

بدایونی تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ چل کر سلام پڑھو اور اس کے بعد میرا جواب سُنے بغیر فوراً واپس تشریف لے گئے۔ اب اس قصے کو مشہور کیا جا رہا ہے کہ فلاں شخص نے مسجد نبوی میں لوگوں کے ساتھ سلام نہیں پڑھا۔ مَیں حیران ہوں کہ یہ کیا فضول حرکات ہیں جن میں ہمارے دین دار حضرات اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرتے ہیں۔ بلا وجہ دوسروں کے متعلق بدگمانیاں پھیلانا آخر کس قسم کی نیکی ہے۔ اگر مسجد نبوی میں جا کر بھی دل پاک نہ ہوں اور آدمی درود و سلام پڑھنے کے وقت بھی بس یہی دیکھتا رہے کہ کس نے اسے پڑھتے دیکھا اور کس نے نہ دیکھا، تو اب کونسی جگہ ایسی باقی رہ جاتی ہے جہاں دل ان گندگیوں سے پاک ہو سکیں۔

۳۔ مولانا احتشام الحق صاحب کا درسِ قرآن بند کر دینا ریڈیو پاکستان والوں کا ایک بہت ہی افسوسناک فعل ہے۔ کوئی شخص بھی اس کی مذمت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۴۔ مولانا احمد سعید کاظمی صاحب سے نہ میرا کوئی مناظرہ ہُوا اور نہ مناظرے کرنا میرا شیوہ ہے۔ خدا ان لوگوں کو نیک توفیق دے جو طرح طرح کے افسانے تراشتے اور پھیلاتے ہیں۔

خواتین کا تعمیری و اصلاحی جریدہ ماہنامہ "بتول" لاہور

اور بچوں کے لیے پندرہ روزہ "نور" لاہور

و ۔۔ جملہ مطبوعات ادارۂ بتول

اور ۔۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

و دیگر اداروں کی ہر قسم کی دینی۔ علمی و ادبی کتب ملنے کا پتہ

ادارۂ بتول ۴۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور